# اقبال کا تصورِ اجتہاد

مبشر حسین

Mubashar Hussain

Ph. D Scholar, Department of Urdu

Lahore Garrison University, Lahore.

عنایت مرتضیٰ شہزاد

Inayat Murtaza Shahzad

Ph. D Scholar, Department of Urdu

Lahore Garrison University, Lahore.

عظیم اللہ جندران

Azeemullah Jindran

Ph. D Scholar, Department of Urdu

Lahore Garrison University, Lahore.

**Abstract:**

Islam is a complete code of life . Which has the characteristics of universality and aternity.This unique characteristic of Islam makes it distinguished from other religions. A significant pillar of this religion is "Ijtihad" Allama Iqbal, who was the pioneer of islamic renaissance has expressed his thoughts about the importance of "Ijtihad" in both poetry and prose in a well organised manner.Moreover he has pointed out the elements which kept the door of "Ijtihad" closed for a long time. Iqbal considered to cease "Ijtihad" equal to cease the eternal and universal characteristic of Islam. So the, "Ijtihad" must continue till the day of judgement.

انیسویں صدی کے آخر تک امتِ مسلمہ کے زوال و انحطاط کا سفر اپنے منطقی انجام کو پہنچ چکا

تھا۔ سیاسی محکومی اور مذہب کی حیات افروز تعلیمات سے مایوسی کے غلبے نے قوائے عقلیہ کو تقریباً مفلوج کر دیا تھا۔ دانشور اور مصلحین مغربی اقوام کی مادی ترقی سے خیرہ ہو کر قوم کو اسی راستے پر گامزن ہونے کے لیے مختلف تاویلات کا سہارا لے رہے تھے۔ ان انتہائی یاس انگیز حالات میں اقبال کی مومنانہ فراست نے جہاں مغربی تہذیب کی کمزوریوں کو بے نقاب کر کے تقلید و مرعوبیت کے پردوں کو چاک کیا وہاں اسلام کے انقلاب آفریں اور حرکت و حرارت سے لبریز اصولوں کو پیش کر کے احیائے اسلام اور ملی نشاۃِ ثانیہ کا گراں قدر کارنامہ سرانجام دیا۔

اقبال کے نزدیک قوم کی زندگی کا انحصار و ارتقا کسی مصنوعی شیرازہ بندی پر نہیں بلکہ افراد کی ذہنی اور جسمانی نشوونما پر ہے۔ جب تک کسی قوم میں جواں دل اور آزاد مرد پیدا نہ ہوں جو اپنے دل کی گہرائیوں اور اپنے دماغ کی جولانیوں سے قوم کو نئے تصورات سے روشناس کرائیں اور تمدن کی بدلتی ہوئی ضروریات سے ہم آہنگ ہونے کا نیا اسلوب مہیا کریں، اس وقت تک اس قوم کے ارتقائی منازل طے کرنے کے امکانات نہیں اس لیے وہ چاہتے تھے کہ امتِ مسلمہ بھی اسلامی قوانین کو حالات و ضروریاتِ زمانہ کے مطابق از سرِ نو مرتب کرے۔ اقبال نے واضح کیا کہ یہ اصول اجتہاد ہی ہے جو دوسرے مذاہب کے مقابلے میں اسلام کو آج بھی ایک زندہ حقیقت کے طور پر قائم رکھے ہوئے ہے لہٰذا اگر اسلام کا آفاقی اور تمام زمانوں اور انسانوں کے لیے دین ہونے کا دعویٰ ہے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے اصولِ اجتہاد کے لیے ہر زمان و مکان کے انسان کی احتیاجات سے عہدہ برا ہو۔(۱)

اقبال تغیّر کو حقیقت ابدی تسلیم کرتے ہیں کیونکہ عمل ہی میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی امید ہے اس لیے وہ اسلام کو تغیر کے عمل میں شریک دیکھنا چاہتے ہیں تا کہ اسلام ہر دم تغیر پذیر کائنات سے ہم آہنگ نظر آئے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ’’حیرت کی بات ہے کہ مسلمانوں کی نئی نسل ایشیا اور افریقہ میں اپنے عقیدے کی نئی توجیہہ چاہتی ہے اسلام کی بیداری کے ساتھ یہ ضروری معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم آزادانہ طور پر یہ دیکھیں کہ یورپ نے فکر کیا ہے اور اس کے فکری نتائج اسلام کی دینیاتی فکر پر نظرِ ثانی کرنے یا اس کی از سرِ نو تشکیل کرنے میں کہاں تک ہماری مدد کر سکتے ہیں؟‘‘(۲)

اقبال اجتہاد کو ایک فعال قدر کے طور پر دیکھنے کے کس قدر آرزومند تھے اس بات کا اندازہ ان کے ابتدائی شعری اور نثری اظہارات سے ہی بخوبی ہو جاتا ہے۔ بانگِ درا کے دورِ اول کی غزل کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے (۳)

اقبال چاہتے تھے کہ اندھی تقلید کی بجائے ملت کے افراد سچائی کی تلاش کے لیے تحقیق و تدقیق کے راستے پر چلیں۔ گو یہ راستہ بڑا کٹھن، طویل اور پرخار ہے مگر اس کو اختیار کیے بغیر منزل پر پہنچنا ممکن نہیں۔ کورانہ تقلید کے خلاف اقبال کا یہ اعلانِ بغاوت عمر کے آخری حصے میں زیادہ شدید طور پر نظر آتا ہے۔ شاعری سے قطع نظر ان کی ابتدائی نثری تحریریں بھی ان کی مجتہدانہ روش کی غماز ہیں۔ اپنے ایک ابتدائی مضمون ''قومی زندگی'' میں انہوں نے مسلمانوں کے کلاسیکی فقہی سرمایے کے بارے میں اپنی بے اطمینانی کا یوں اظہار کیا ہے:

> ''حالاتِ زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب آنے کی وجہ سے بعض ایسی تمدنی ضروریات پیدا ہو گئی ہیں کہ فقہا کے استدلات جن کے مجموعے کو عام طور پر شریعت اسلامی کہا جاتا ہے، ایک نظرِ ثانی کے محتاج ہیں۔ میرا یہ عندیہ نہیں کہ مسلماتِ مذہب میں کوئی اندرونی نقص ہے۔ میرا مدعا یہ ہے کہ قرآن شریف اور احادیث کے وسیع اصول کی بنا پر جو استدلال فقہا نے وقتاً فوقتاً کیے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو خاص خاص زمانوں کے لیے واقعی مناسب اور قابلِ عمل تھے، مگر حال کی ضرورت پر کافی طور پر حاوی نہیں ہیں۔'' (۴)

اسی مضمون میں آگے چل کر جدید علمِ کلام اور قانون اسلامی کی جدید تفسیر کی ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے اقبال نے وضاحت کی ہے کہ:

> ''اگر موجودہ حالاتِ زندگی پر غور کیا جائے تو جس طرح اس وقت ہمیں ایک جدید علمِ کلام کی ضرورت ہے اسی طرح قانونِ اسلامی کی جدید تفسیر کے لیے ایک بہت بڑے فقیہہ کی ضرورت ہے جس کے قوائے عقلیہ و متخیلہ کا پیمانہ اس قدر وسیع ہو کہ وہ مسلمات کی بنا پر قانونِ اسلامی کو نہ صرف ایک جدید پیرائے میں مرتب و منظّم کر سکے، بلکہ تخیل کے زور سے اصول کو ایسی وسعت دے سکے جو حال کے تمدنی تقاضوں کی تمام ممکن صورتوں پر حاوی ہو۔'' (۵)

اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال نوجوانی ہی میں ایک نئے علمِ کلام کی تشکیل اور قانونِ اسلامی کی جدید تفسیر کی ضرورتوں کا شدید احساس رکھتے تھے۔ دراصل علامہ اقبال کا یہ مضمون اس بے قرار روح کا غماز ہے جو نشاۃِ ثانیہ کے خواب دیکھ رہی تھی اور اس نشاۃِ ثانیہ کے لیے دیگر امور کے ساتھ ساتھ قانونِ اسلامی کی جدید تشکیل کی ضرورت کو شدت سے محسوس کر رہی تھی۔ اقبال کے خطبات ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' بالخصوص چھٹا خطبہ ''اسلام کی ترکیب میں حرکت کا اصول'' اس مضمون کی توسیع ہے۔ اس خطبے میں اقبال نے اجتہاد کی ضرورت و اہمیت، اجتہاد کی تعریف و اقسام، اجتہادی عمل میں جمود کے اسباب، اسلامی قانون کے ماخذ، مختلف اجتہادی تحریکوں کے جائزے کے علاوہ دورِ

حاضر میں اجتہاد کی قابلِ عمل صورت پر مفصل اور پر مغز بحث کی ہے۔ بقول پروفیسر محمد عثمان:

''اس خطبے میں علامہ اقبال نے مسئلہ اجتہاد پر تاریخ اور جدید حالات و مقتضیات کی روشنی میں جس قدر ایمان افروز اور فکر انگیز بحث کی ہے اسکی مثال جدید اسلامی لٹریچر میں ملنی محال ہے۔''(۶)

زیرِ بحث خطبے میں اقبال نے واضح کیا کہ اسلام دینِ فطرت ہے اس نے زمانے کا حرکی تصور پیش کر کے ایک ابدی و آفاقی ثقافت کی بنیاد رکھی اس لیے ایسی ثقافت نہ اثبات کی منکر ہو سکتی ہے اور نہ تغیر کی بلکہ دونوں کو آپس میں متحد کرنے کی کوشش کرتی ہے کیونکہ زندگی کی تنظیم کے لیے ابدی اصولوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر ابدی اصولوں کی تعبیر اس طرح کی جائے کہ تبدیلی کے امکانات سرے سے خارج ہو جائیں تو حرکت معطل ہو جائیگی۔(۷)

اقبال سمجھتے ہیں کہ جب اسلام نے اپنی تہذیب کی حرکی روح کو فراموش کر دیا تو وہ زوال کا شکار ہو گیا۔ عموماً زوال کا ذمہ دار ترکوں کو قرار دیا جاتا ہے مگر اقبال اس سے متفق نہیں ان کے خیال میں اسلامی فکر کے جمود کے تین اسباب ہیں۔

۱۔ دولتِ عباسیہ کی سیاسی مصلحتوں اور قدیم طرزِ فکر کے علما کی طرف سے غور و فکر کی قوتوں کی حوصلہ شکنی کے لیے قانون میں سختی پیدا کر دی گئی۔

۲۔ رہبانیت سے بھرپور صوفی ازم نے اہل فقہ کے خلاف مسلسل آواز بلند کی جس کے نتیجے میں بہترین دماغ غور و فکر کو چھوڑ کر کنارہ کشی پر مجبور ہو گئے۔

۳۔ اسلامی مرکز بغداد کی تباہی کے باعث اسلام کے مستقبل پر قنوطیت کا غلاف چڑھ گیا۔ فقہا اور علما پرانے فقہی سرمایے کو سینوں سے لگا کر مسجدوں اور خانقاہوں میں روپوش ہو گئے۔(۸)

ان اسباب کے نتیجے میں اجتہاد کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند ہو گئیں اور تقلید پرستی امتِ مسلمہ کی مستقل روش بن گئی۔ یہ سلسلہ کئی صدیوں تک محیط رہا۔ بالآخر تیرھویں صدی عیسوی میں امام ابن تیمیہ، سولھویں صدی عیسوی میں امام سیوطی، اٹھارہویں صدی عیسوی میں محمد بن عبدالوہاب نے اس فکری جمود کے خلاف آواز بلند کی اور نئے سرے سے اجتہاد کے دروازوں کو وا کیا۔ اقبال نے ان تحریکوں کو خوب سراہا ہے خاص طور پر وہابی تحریک کو انہوں نے اسلام کے تنِ مردہ میں زندگی کی پہلی دھڑکن قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ اقبال نے شاہ اسماعیل شہید، محمد علی باب، محمد ابن تومرت وغیرہ کی اجتہادی کوششوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ لیکن ترکی کے سعید حلیم پاشا کی تجدیدی مساعی کی بالخصوص تعریف کی ہے۔ حلیم پاشا کے نزدیک سائنسی علوم کی طرح اسلامی اقدار بھی ہمہ گیر اور معروضی نوعیت کی ہیں۔ جو مختلف عوامل کے زیر اثر دب چکی ہیں۔ لہٰذا ان اقدار کی تجدید ضروری ہے اقبال حلیم پاشا کے اس نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہیں۔(۹)

اس کے بعد اقبال نے اجتہاد کے مسلمہ ذرائع قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس پر مفصل

بحث کی ہے اور اس ضمن میں احیائے اسلام اور ملی نشاۃ ثانیہ کی خاطر اپنے افکار ونظریات کو اظہار کے مختلف پیراؤں میں جس فنکاری کے ساتھ پیش کیا ہے اردو اور فارسی ادب میں اس کی مثال پیش کرنا ناممکن ہے۔ انہوں نے پرسوز، پرتاثیر اور رجائیت سے لبریز کلام کے ذریعے بہت اہم نکات پر روشنی ڈالی ہے۔ اقبال کے نزدیک اسلام کے اجتہادی تصورات کے سلسلے میں اجماع کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن کوئی بھی اجماع جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی روح کے منافی ہو، شریعت اسلامی میں رسوخ حاصل نہیں کر سکتا۔ اقبال موجودہ حالات میں اجماع کی اہمیت اور ممکنات پر اظہار رائے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''یہ دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ اس وقت دنیا میں جو نئی قوتیں ابھر رہی ہیں کچھ ان کے اور کچھ مغربی اقوام کے سیاسی تجربات کے پیش نظر مسلمانوں کے ذہن میں بھی اجماع کی قدر و قیمت اور اس کے مخفی امکانات کا شعور بیدار ہو رہا ہے۔ بلادِ اسلامیہ میں جمہوری روح کی نشوونما اور قانون ساز مجالس کا بتدریج قیام ایک بڑا ترقی زا قدم ہے۔''(۱۰)

اقبال کے نزدیک موجودہ دور میں اجماع کا بہترین ادارہ ''پارلیمنٹ'' ثابت ہو سکتا ہے بشرطیکہ ارکان پارلیمنٹ اسلام کے اساسی اصولوں اور عصر جدید کے تقاضوں کو پوری طرح سمجھتے ہوں۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمان جو مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں ایک پلیٹ فارم پر آجائیں گے اور جو قوانین پارلیمنٹ وضع کرے گی وہ سب پر لازم ہوں گے۔ ممکن ہے آغاز کار میں بعض لوگ معترض ہوں مگر آہستہ آہستہ وہ اس نظام کا حصہ بن جائیں گے۔(۱۱)

اقبال نے خطبے کے آخر میں جہاں مسلمانوں کو حریت فکر اور جرات عمل کا مشورہ دیا ہے وہاں ترکی کی بیداری کا ایک بار پھر ذکر کیا ہے اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ روس کا نام لیے بغیر اس کے ہاں پیدا ہونے والے معاشی انقلاب کی طرف اشارہ کر کے اپنے اس یقین کو دہرایا ہے کہ ان احوال و انقلابات سے اسلام کا داخلی مفہوم روشن تر ہو کر سامنے آنے والا ہے لہٰذا مسلمانوں کو اس صورت حال کے لیے پوری طرح تیار رہنا چاہیے۔(۱۲)

## حوالہ جات


۱۔ محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجم: نذیر احمد نیازی، لاہور: بزم اقبال، ۱۹۸۳ء، ص:۲۳

۲۔ ایضاً، ص:۱۲

۳۔ محمد اقبال، کلیات اقبال اردو، لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۱۹۹۵ء، ص:۸۰

۴۔ محمد اقبال، مقالات اقبال، مرتب: سید عبدالواحد معینی، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۸۸ء، ص:۹۱

۵۔ ایضاً

۶۔ محمد عثمان، پروفیسر، فکر اسلامی کی تشکیل نو، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء، ص:۱۹۴

۷۔ محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجم: نذیر احمد نیازی، ص:۲۲۶

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً، ص:۲۴۲

۱۰۔ ایضاً، ص۲۴۸

۱۱۔ ایضاً، ص:۲۷۱

۱۲۔ ایضاً، ص:۲۷۵

☆......☆......☆